© rasailojaraid.com

اسلامی فکر و شعور اور اس کی امتیازی خصوصیات

علال الفاسی ○ مترجم: محمود احمد غازی

'فکر و نظر' کے شمارہ جنوری ۷۳ء میں اس سلسلے کی پہلی قسط گزر چکی ہے۔ دوسری قسط حاضر ہے۔ یہ النقد الذاتی کے دوسرے باب کے تیسرے مقالہ کا ترجمہ ہے۔ اس میں علال الفاسی نے اسلامی فکر و شعور اور اس کی خصوصیات سے بحث کی ہے اور دوسرے ادیان سے اسلام کا تقابل کر کے اسلام کے نقطۂ امتیاز کو واضح کیا ہے۔

اس دلچسپ اور فکر انگیز سلسلے کی تیسری قسط بھی انشاء اللہ جلد ہی ناظرین کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ (مترجم)

جب ہم ان حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں جن میں بڑے بڑے ادیان نے پرورش پائی اور ان مختلف عوامل کا جائزہ لیتے ہیں جنہوں نے ان ادیان کی ابتدائی فطرت کی تشکیل کی تو ہم پر وہ حیرت انگیز حقیقت واضح ہوتی ہے جو بہت سی ایسی خرافات کا خاتمہ کر ڈالتی ہے جن کے بارے میں اہل یورپ کا دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کی اشاعت کے وسائل میں سے ہیں اور ان کی حیثیت اس روح کی سی ہے جسے فکر اسلامی نے مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات کے بارے میں پیدا کیا ہو۔ تاریخی حقائق اس بات کے گواہ ہیں کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جسے اپنے آغاز میں کسی بیرونی حکومت سے دشمنی یا اس سے جنگ کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اور یہ کہ اسلام سب سے پہلے ایک عقلی، روحانی اور معاشرتی انقلاب ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو عربوں کی بت پرستی اور اس استحصالی تجارتی نظام کے خلاف برپا کیا گیا تھا جس کے ذریعے قریش نے کمزور
عربوں کو اپنے سرداروں کے مفادات اور اپنے اونچے گھرانوں کو سرمایہ فراہم کرنے کے لئے غلام بنا رکھا تھا نیز
یہ کہ سرکشی و لاقانونی سے آزاد ہونے، ایک خدا پر ایمان لانے، عقل کی آواز پر کان دھرنے اور آسمانی ہدایت
سے رہنمائی حاصل کرنے کے ذریعہ اسلام عربی معاشرہ اور عربوں جیسے دیگر انسانی معاشروں کی حالت کو بہتر
بنانے کی ایک دعوت ہے۔ اگرچہ اسلام ہر اس طاقت کا پورا مقابلہ کرتا ہے جو انسانوں کو جسمانی یا روحانی
غلام بنانے کے درپے ہو۔ تاہم اس نے اپنی اوّلین جد و جہد کا محاذ کسی غیر عرب حکومت کے خلاف نہیں
بنایا۔ اس لئے کہ بظاہر کسی حکومت کو بھی عربوں پر اقتدار و غلبہ حاصل نہ تھا۔ اسلامی حکومت اور غیر اسلامی
حکومت کے تعلقات کا معیار صرف دین اور وحی سماوی کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ اہل کتاب ابتداء میں اسلام
لانے والوں کے دوست ہیں جبکہ بت پرست خواہ وہ کسی بھی قوم کے ہوتے مسلمانوں کے دشمن تھے
قرآن مجید مسلمانوں کے حلیف مشرقی رومیوں کو مستقبل قریب میں ان اہل فارس پر فتح حاصل کرنے کی
خوشخبری دیتا ہے جنہوں نے بعد میں بھی وحی کی تصدیق نہ کی اور آتش پرستی نہ چھوڑی۔

لیکن جب ہم ان احوال و واقعات پر غور کرتے ہیں جن میں ——— مثال کے طور پر ——— یہودیت
نے نشو و نما پائی تو ہم ان حالات کو مذکورہ حالات کے بالکل برعکس پاتے ہیں، یہ وہ حالات ہیں جن
میں فرعون نے اسرائیلی قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دعوت ——— دعوت
موسوی ——— سب سے پہلے اس اجنبی قابض کے خلاف شروع کی جاتی ہے جو اسرائیلیوں کے لڑکوں
کو تو ذبح کر ڈالتا ہے اور ان کی عورتوں کو ——— اپنے ناجائز مفاد کے لئے زندہ رہنے دیتا ہے۔ معلوم
ہوا کہ یہ دعوت اس بادشاہ کے تخت و تاج کے خلاف ہے جو الوہیت میں پروردگار اعلیٰ کی مزاحمت
کرتا ہے۔ اس کی برگزیدہ قوم کو اپنے زیر نگیں بنانا چاہتا، اور اس کے انبیاء و حکماء کی تذلیل کرتا ہے۔
ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو جو پند و نصیحت کرتے ہیں اس کی بنیاد ہمیشہ اپنے
ہم قوموں کو ان کی عظیم موروثی بزرگی یاد دلانے اور ان اجنبی قابضین کے خلاف ان کے قومی جذبات
بھڑکانے پر ہوتی جو انہیں غلام بنا کر بدترین تکالیف میں مبتلا کئے ہوئے تھے۔ نیز ان محکوموں کو ڈرانے
پر کہ اگر انھوں نے اس آسمانی دعوت پر لبیک نہ کہا جسے پروردگار عالم نے انہیں دشمن کی غلامی سے
آزادی دلانے کے لئے بنی اسرائیل ہی میں سے ایک شخص پر بذریعہ وحی نازل کیا ہے اور جس کے ذریعہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بنی اسرائیل کو اپنے گرد جمع کرلینے کی اہم خدمت انجام دے رہا ہے تو وہ ہمیشہ اپنی بدبختی و تنگدستی میں رہیں گے۔ بسا اوقات یہ دعوت اجنبی تسلط اور غلامی کے شکنجے میں جکڑی ہوئی قوم کے طبعی انحلال کے خلاف ایک زبردست انقلاب بن جاتی ہے، جس سے آتشِ انقلاب اور زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہم قوموں کو غلام بنانے والوں سے انتقام لینے اور ان کو شکست دے دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

مسیحیت کی نشو و نما کی صورت حال بھی یہودیت سے چنداں مختلف نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی قوم کی روحانی اصلاح کے لئے بھیجا...... ایسی روحانی اصلاح جو موسوی اصلاح سے زیادہ عمیق اور ہمہ گیر تھی۔ اور یہ مسیحی اصلاح اس مادیت کا مقابلہ کرنے میں زیادہ قوت رکھتی تھی جو اس زمانے میں فلسطین کی غلام ریاست پر حاوی تھی، یہ روما کی کافر حکومت تھی، جو اسرائیلیوں کو اپنی عبادت گاہوں میں اس اجنبی شہنشاہ کی مورتیاں رکھنے اور خدائے بزرگ و برتر کے مظہر اعظم کی حیثیت سے اس کی پوجا کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ اور اس غلام ریاست (فلسطین) میں ایک شخص بھی اتنا باہمت نہ تھا جو اس سرکش کی الوہیت کا انکار کرنے کی جرأت کرتا۔ الغرض اس سامراجی حکومت نے تمام دینی و دنیوی اختیارات ہتھیا لئے۔ اور یہ سمجھنے لگی کہ اس کے پاس ایسے وسائل موجود ہیں جو باشندگانِ فلسطین کو وہ روحانی و مادی خوشحالی دے سکتے ہیں جس کے بعد وہ زمین و آسمان کی ہر چیز سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حکومتِ روما نے اپنے باشندوں کو بھیجنا شروع کیا جنہوں نے فلسطین کی سرسبز شاداب زمینوں پر قبضہ کر لیا یہاں تک کہ ہر فلسطینی کاشت کار اپنے رومی مالک کا پوری طرح غلام بن گیا۔ مالک جس طرح چاہتا حکم چلاتا اور جس طرح اس کے دل میں آتا وہ غریب کاشت کار کو اپنی خواہش کے ہاتھ نچاتا۔ اس موقعہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نیا دین پیش کرنے کھڑے ہوئے۔ انھوں نے [illegible] شہنشاہ کی عبادت کی مخالفت، ان کی عبادت کا [illegible]

[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ رومی آبادکار تھے جنہوں نے قوت واقتدار کے زور سے مقامی باشندوں کی زمینیں چھین لی تھیں یا پھر وہ مقامی لوگ تھے جو غیر ملکیوں کو خوش کرنے کے لئے اپنی قوم کو ان کا تابع بنا دینے پر تلے ہوئے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ناقابل تسخیر عزم اور بے باک جذبۂ قربانی کے ساتھ کسی قسم کی نرمی اور جھجک کے بغیر اس ظالم فاتح کے خلاف انقلاب برپا کر دینے کا بیڑا اٹھالیا۔ اگرچہ ابتدائی مسیحی جماعت نے عہد اوّل کے مسلمانوں کی طرح اپنے دشمنوں سے جنگ نہیں کی۔ لیکن اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس وقت کے نامساعد حالات اور تعداد کی کمی کے باعث وہ اس سلبی انداز مخالفت کے سوا جس کی دعوت حضرت مسیح اپنی قوم کو دے رہے تھے کسی مسلح بغاوت کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ تاہم ان کا قول یہی تھا کہ ان سانپوں کی اولاد کو ملک سے نکال دو جو کبھی بھی خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکے گی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام ان تین بڑے ادیان میں سے تنہا دین ہے جس کا ابتدائی محرک روئے زمین کے کسی خاص طبقہ، قوم، نسل یا حکومت کی مخالفت قطعاً نہیں تھا۔ اور وہ تمام جنگیں جو اس نے لڑیں وہ صرف اس آزادیٔ افکار کی مدافعت میں تھیں جس کا وہ نقیب اور علمبردار تھا۔ اس لئے اسلام خود کو برقرار رکھنے کے لئے کسی اجنبی قوت سے ٹکر لینے کا محرک نہیں۔ بلکہ اسلام کا وجود یا اس کی آزادی کی حفاظت ہی بعض اوقات ان جنگوں کا سبب بنی جو اسلامی تاریخ میں لڑی گئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس عمیق نکتہ کو آج سے قبل نہ تو اسلام کی طرف سے کسی مسلمان دفاع کرنے والے نے سمجھا اور نہ اسلام کے بارے میں لکھنے والے کسی مستشرق نے اسے پایا۔ اس سے میرا مقصد صرف اسلامی فکر و شعور کے نقطۂ آغاز کی وضاحت کر دینا ہے۔ اور وہ نقطۂ آغاز فاسد معاشرہ کے خلاف انقلاب اور عقل کو ہر ایسے طاغوت سے آزاد کر لینا ہے جو اسے خواب غفلت میں مبتلا رکھتا ہے اور آخر کار عقلمندوں کو غداروں اور دھوکہ بازوں کی گود میں لا ڈالتا ہے۔ اس نکتہ کو ایک ایسا بنیادی نقطۂ آغاز سمجھنا چاہئے جہاں تمام مقاصد یکجا ہوتے اور مختلف پہلو آملتے ہوں۔ اس لئے آج ہمارے اسلامی فکر و شعور کو سب سے [illegible] ہماری اپنی حالت سدھارنا، ہماری قوم کو ان لوگوں سے آزاد کرانا جو لسے خرافات و اوہام کا بندہ [illegible]ئے ہیں اور اسے بہت سی ایسی فرسودہ روایات سے نجات دلانا ہے جو اس کی ترقی و پیش قدمی [illegible] میں حائل اور اس کی عقل کو اسرار کائنات اور خصائص ایمان کے ادراک میں مانع ہیں۔ نیز ان [illegible] کو دُور کیا جائے جو گزشتہ دورِ انحطاط میں بتدریج اس کی ذہنیت میں راسخ ہو چکی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسے نئے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کرنے سے باز رکھتی ہیں۔ اسی طرح ہر اس استقراطیت کا مقابلہ جو مال و دولت کی برتری یا مادہ پرستی پر قائم ہو۔ اس لئے کہ یہ استقراطیت ہی زندہ آدمیوں کو سامری کے سونے کے بچھڑے کی طرح کا بت بنا دیتی ہے اور یہ لوگ —— جو اس استقراطیت کو قائم کرتے ہیں —— جب بھی کسی سوسائٹی میں اقتدار حاصل کر لیتے ہیں تو اس سے کم کسی چیز پر راضی ہی نہیں ہوتے کہ قوم سب ان کے لئے مسخر ہو جائیں اور لوگوں کی گردنیں ان کے سامنے جھکی رہیں۔

جب ہم اس مادہ پرست روح اور اس کے حاملین کا مقابلہ کرتے ہیں تو اس معاملے میں یہ نہیں دیکھتے کہ ان کا تعلق کس طبقہ اور کس قوم سے ہے۔ ہم تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ مال و دولت جسے اللہ تعالیٰ نے محض ایک وسیلہ بنایا ہے وہ اپنے اُسی فطری مقام پر رہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اگر کسی سوسائٹی میں امتیازات کا ہونا ایسا ہی ضروری ہے تو لازم ہے کہ یہ امتیازات فکر صحیح، اعلیٰ کردار اور ملک و ملت کی بہتری کے لئے قربانی دینے پر مبنی ہوں۔ مادی و روحانی بغاوت کے خلاف اس نے عرب ملکوں اور دنیا کے ان علاقوں میں سامراج کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیا ہے۔ جن کی حالت عرب علاقوں سے کچھ بھی بہتر نہ تھی۔ اس لئے کہ ان ملکوں پر بھی پاپائیت کے علَم برداروں اور مال و جاہ والوں نے اپنا تسلط جمایا ہوا تھا۔ یہ لوگ اپنی اپنی اقوام کے خلاف سازشیں کرتے تھے، ان کو غلام بنائے ہوئے تھے، اور ان کے مال و دولت کو ناجائز طریقے سے حاصل کر رہے تھے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان علاقوں کے بعض شرفاء جزیرۂ عرب کی طرف پناہ گزیں ہونے لگے، شائد ان لوگوں کی نظر میں یہ واحد علاقہ تھا جس میں پھر کبھی کسی منظم اور طاقتور پاپائیت کو استحکام حاصل نہ ہو سکا۔ لہٰذا جزیرۃ العرب ہی وہ واحد چشمہ ہے جس سے آبِ حیات کے دھارے پھوٹ سکتے ہیں اور انسانی آزادی کی شعاعیں نکل سکتی ہیں۔ اس لئے آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اسلامی فکر و شعور نے ہمہ گیر آزادی کا اعلان کر کے اور خالق و مخلوق کے درمیان کسی بھی غیر فطری واسطے کو تسلیم نہ کر کے پوری انسانیت کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ لہٰذا اب ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں تاکہ آزادی کی یہ مقدس کوشش کامیاب ہو سکے۔ اور پوری انسانیت کو وہ روحانی سرور حاصل ہو جو عقل پر اطمینان، غور و فکر اور عمل میں آزادی پر ایمان سے ہوتا ہے۔ ہمارا یہ کام اس مسلسل جدوجہد کا ایک جزء ہو گا جو آزادی کی حمایت اور استعمار کے مقابلہ کے لئے کی جا رہی ہے اور اس کے لئے انسانی فکر کی مختلف صورتوں سے دوامی تعلق اور دنیا بھر کے نیک نیت لوگوں سے ان کے اصول و میلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ِت نظر کرتے ہوئے سچا تعاون لازمی ہے۔ اور یہ تعاون اس وقت تک جاری رہے گا جب تک وہ اس
ا کے علمبردار ہیں جو فطرت صحیحہ کا عقیدہ اور آزاد فکر و نظر، انسانی مواخات، حمایت، عدل اور سرکشی
ت جدوجہد کا عقیدہ ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوں اور اسے منزل
ر دین کے طور پر قبول کریں۔ مقصد صرف اس قدر ہے کہ اس انسانی ہم آہنگی و تعاون کو زیادہ سے
وسعت دی جائے جیسے اسلام نے ان مختلف قوموں کے درمیان جاری کیا تھا جنہوں نے اسلامی
کر و عقلیت کو قبول کیا اور اسلام کی عظیم درسِ حریت دینے والی تعلیمات سے اثر لیا۔

اسلامی فکر و شعور کی ہمہ گیر دعوت پر ایک نظر ہمیں پوری طرح اس سچی انسانیت کی طرف متوجہ
ں ہے جو مفادِ عامہ کے لئے سب سے بھلائی چاہتی ہے وہ مختلف معاشروں اور طبقوں سے ملنے جلنے
ا کے تعاون سے ایسے طریقوں کو تلاش کرنے سے باک نہیں کرتی، جو انسانی معاشرہ کو ترقی و تعمیر اور
ں حالی سے ہمکنار کرکے اسے ایسے بلند معیار پر لانے میں مدد دیں جس کے لئے انسانی معاشرہ وجود
یا ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تمام مساعی جو اپنے ملک اور اپنے معاشرہ کی بہبود کے لئے ہوں اسلامی
نہیں اس عمومی اور ہمہ گیر کوشش کا ایک حصہ شمار کرے گی جو ساری انسانیت ایک بہتر دنیا
ا کرنے میں صرف کر رہی ہے۔

دینِ اسلام کی سب سے بڑی امتیازی صفت اس کا ایسے مضبوط اصولوں پر قائم ہونا ہے
ہ ترقی پذیر اور مسلسل آگے بڑھتے رہنے کے قابل بناتے ہیں اور اسے ہر علاقے، ہر زمانے اور ہر طبقہ
ں کی ضروریات پوری کرنے میں مستعد بناتے ہیں۔ لہذا سب سے پہلے یہ ایک ہمہ گیر دعوت ہے اور اس لئے
ں روح عوام پسند ہے۔ کیونکہ یہ کسی قوم کے سرداروں کو مخاطب کرنے سے قبل جو دراصل اس کے
م ہوتے ہیں براہ راست قوموں کو مخاطب کرتی ہے۔ اس دعوت نے لوگوں کی ہدایت وارشاد کی بناء
۔ اور دباؤ پر نہیں رکھی بلکہ مسلمانوں کو زندگی سے متعلق ہر اس مسئلہ میں جسے علماء اسلام مصلحت
(مصلحیات) سے تعبیر کرتے ہیں، غور و فکر کا حق دیا ہے۔ یعنی وہ مسائل جن کا تعلق عوامی بہبود
ہے اور جو علماء کے قول کے مطابق ترقی و تغیر پذیری کی وجہ سے کبھی وجود اور کبھی عدم کہلاتے ہیں
صلحیات" میں اولیت ان مملکتی امور، ریاستی نظام اور طرز حکومت کو حاصل ہے جسے قوم اپنے لئے
مد کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو اس شورائی زندگی کی راہ دکھائی ہے جو مختلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نسانی تجربات کی روشنی میں ارشاد ربانی: وأتمروا بینکم بالمعروف کے بموجب حق وعدل اور معروف پر قائم رہتے ہوئے ہوا وہوس سے بچتے ہوئے اپنے طریقوں کے انجام ونتائج میں غور کرتے رہنے کا عادی بنا دیتی ہے یہی وہ رہنمائی ہے جو اسلامی دعوت کو لوگوں کے سامنے وعظ ونصیحت کی صورت میں جلوہ گر کرتی ہے اور جس نے قرآن کریم کو ایک ایسی لچکدار کتاب بنا دیا ہے کہ وہ ایک ہی موضوع کو مختلف اسالیب کے ذریعے ایسے تاریخی احوال وواقعات کی روشنی میں پیش کرتی ہے جو قلب کو اس نصیحت کے قبول کر لینے پر آمادہ کر دیتی ہے جس کو قرآن ایسے مناسب مقام پر بیان کرتا ہے کہ کانوں تک پہنچتے ہی وہ لوگوں کے دل ودماغ میں ترتی چلی جاتی ہے۔ اسلامی قانون سازی اور اس کے فکری مزاج کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اسے آج کی خشک قانونی دفعات کی طرح مروجہ قانونی کتب ومجلات میں مرتب کر دیا جاتا۔ اس طرح تو ہم صرف اسی قانونی مجموعہ کی دفعات کے پابند ہو کر رہ جاتے اور ہمارے لئے اس کی قطعاً گنجائش نہ رہتی کہ ہم اس ترقی پذیر روح سے خود کو زیادہ سے زیادہ فیض یاب کریں جو نہایت فیاضی سے اسلام نے ہمیں عطا کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت پیش آنے والے مسائل کو حالات کی روشنی میں مختلف طریقوں سے حل کرنے کے منافی ہوتی۔ اسی ایک نکتہ سے ہمیں ان لوگوں کی غلطی کا احساس ہو جائے گا جو چاہتے ہیں کہ بعض خود ساختہ مروجہ طریقوں کو دائمی قوانین کی شکل دے دی جائے۔ ان لوگوں نے ایک طرف تو اس مراکشی ذہنیت کو تباہ کر دیا۔ جسے اسلامی فکر وشعور نے تغیر وتجدد پسندی کی دوامی آرزو بخشی تھی اور دوسری طرف عرف کا پابند بنا کر قوت فیصلہ اور عدالتی حس کو برباد کر دیا۔ درحقیقت عرف اس غیر متبدل عادت کو کہتے ہیں جسے علمائے عمرانیات نے فطرت ثانیہ سے تعبیر کیا ہے جبکہ ضرورت اس بات کی مقتضی ہے کہ عرف کو صرف اس قانون کا پابند کیا جائے جو استنباط واستخراج کا نتیجہ ہو، ترقی وتغیر کو قبول کرلے اور واقعات کے احوال وظروف پر اعتماد کی وجہ سے عرفی اعتبارات وغیرہ کا انکار بھی نہ کرتا ہو۔

اسلام اپنے پیغام کو حرکتِ مسلسل بنانا چاہتا ہے چنانچہ اس نے اپنی اس خواہش کو اپنی اس فکر ہی کا ایک حصہ بنا دیا ہے جو اپنی اثر انگیزی کی وجہ سے جس سوسائٹی میں بھی پہنچتی ہے اسے غور وفکر اور مسلسل ترقی وپیش قدمی کرتے رہنے کے لئے تیار کر دیتی ہے۔ اسلام ایک پیغام ہے یعنی ایک ایسی انسانی جدوجہد جو اپنی قوت وحی خداوندی سے حاصل کرتی اور فطرت الٰہی کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے مقاصد عمل میں فکر وروح کی ضروریات کو بالکل اسی طرح پورا کرتی ہے جس طرح مادی ضروریات کو۔ چونکہ وحی الٰہی صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسالتؐ ہی کے ساتھ خاص تھی اس لئے لوگوں کو سعادتِ دارین کے حصول کی ہدایت کرتے رہنے کے اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کے لئے جس رسولؐ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ اس کی یہ دوامی جدوجہد نہ کبھی ختم ہوئی ہے اور نہ آئندہ کبھی ختم ہوگی، اس کو قائم رکھنے کی ذمہ داری ان مسلم اصحاب فکر و معرفت علماء پر ڈالی گئی ہے جو جواب دہی کا احساس رکھتے اور آزادی کی تلاش میں رہتے ہیں لیکن اس دعوت کی تجدید اور اس کے طریقہ ہائے کار میں تبدیلی کا فرض ان مصلحین کو سونپا گیا ہے جن سے کوئی زمانہ خالی نہ رہنا چاہئیے یہ لوگ تحریفات کو درست کرتے رہیں، حق کو ثابت اور کجی کو زائل کرتے رہیں حتیٰ کہ فکر اسلامی پھر پہلے کی طرح سرسبز و شاداب ہوجائے۔ کیا اس موضوع پر اس سے زیادہ واضح حدیث ہوسکتی ہے "ان اللہ یبعث علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھذہ الامۃ امر دینھا۔" چونکہ یہ حدیث وعدۂ خداوندی کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے خود دین کی سنت و طبیعت کا تقاضا ہے کہ مسلمان اس وعدہ کو پورا کریں۔ فکر اسلامی اپنے ماننے والوں کے لئے غور و فکر، زمانہ کی گردشوں سے عبرت حاصل کرنا، زندگی کے مختلف رجحانات کی مسلسل تحقیق و تفتیش اور انسانی مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے زمین کی آبادکاری، اس کی اصلاح و تعمیر میں پروردگار کی نیابت اور اس کے معاملات کا انتظام کرتے رہنا لازمی قرار دیتی ہے۔ چونکہ بہت سے مسلمان اس زیر دست ترقی پسند روح سے غفلت برتتے ہیں جس پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ ان کی ہر نسل میں اس دعوت کو دل کی گہرائیوں سے سننے والا اور اس کی قدر و منزلت اور اہمیت کا احساس رکھنے والا نہ پیدا ہوتا رہے۔ جو دوسروں کو اس پیغام کی یاددہانی کرائے اور اس کو زندہ رکھنے کے لئے جدوجہد کرتا رہے اور اس کی آواز پر لبیک کہے، انہی شخصیتوں کا وجود اس حدیث میں مذکور خدائی وعدہ کا تقاضا ہے۔

لیکن جو نکتہ اس حدیث کے مضمون میں ہمارے لئے سب سے زیادہ اہم ہے وہ اس کی ظاہر و پنہاں وہ روح ہے جو ملت اسلامیہ کیلئے اس امر کی نشاندہی کر رہی ہے کہ وہ بھی دوسری قوموں کی طرح تغیر و ترقی کے تابع رہے گی اور اسے اس حقیقت سے باخبر کر رہی ہے کہ کوئی ایک صدی بھی ایسی نہ گزرے گی جس کے بعد ملتِ اسلامیہ کو احیاء اور نشأۃِ ثانیہ کی ضرورت لاحق نہ ہوجائے اور سابقہ زمانہ اپنے لئے جو طریقہ ہائے کار مقرر کرتا رہا انہیں آنے والے زمانہ کے تقاضے برقرار نہ رکھیں گے۔ اس لئے کہ تجدید کا مطلب ہمیشہ اصلاح ہی نہیں ہوتا بلکہ تبدیلی بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ بنیادی اصول کا اتباع نہ کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پائے۔ اسی روح سے سرشار ہونے کا نتیجہ تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا تھا: "اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کرو۔ اس لئے کہ وہ تمہارے زمانے کے علاوہ کسی اور زمانہ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں" مطلب یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کے زمانوں میں تغیر ہو ہی جاتا ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اس زمانے کے تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے کی جائے جس میں وہ زندگی گزارنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں نہ کہ آباؤ اجداد کے ان وقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو تاریخ بن رہے ہیں۔ یعنی ایسے انسانی تجربات میں شامل ہو چکے ہیں جن سے نصیحت و عبرت حاصل ہوتی ہے اور جنہیں ذرائع فکر و علم قرار دے کر ان سے استفادہ تو کیا جا سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم انہیں اصل سمجھ کر خود "نقل مطابق اصل" بن جائیں۔

اسی زبردست ترقی پذیر روح کی بدولت ہمارے باپ دادا ایسی اسلامی تہذیب و تمدن کی تعمیر کر سکے جس کی بڑی انسانی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے مختلف مشرقی و مغربی تہذیبوں اور تمدنوں سے ایسے وقت میں بھی میل جول رکھا جبکہ وہ محو خواب تھیں پھر انہیں گوشۂ گمنامی سے نکال کر ان سے استفادہ کر کے، ان سے اثر پذیری اور ان پر اور ان کے حاملین پر اثر اندازی کے ذریعہ انہیں نئی زندگی بخشی۔ یہ سب تبدیلی اس طرح ہوتی کہ تمام انسانی اقدار کا پورا احترام ملحوظ رہتا جو انسانیت کے مترادف ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے کہ اسلامی فکر مسلمانوں کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ جانے اور اپنے معاشرہ میں انحطاط پذیر عوامل کے آگے جھک جانے سے روکتی ہے۔ اس کے برعکس وہ انہیں ہر عقل و فکر سے تعلق پیدا کرنے، ہر علم و معرفت کی چھان بین کرنے، ہر سمت سے حکمت کے موتی رولنے اور ہمیشہ ایسے جدید اسلوب کی تلاش و جستجو میں رہنے کی ترغیب دیتی ہے جو اسلامی معاشرہ کی حالت سدھارے یا اس کے افراد کا معیار بلند کرے یا اسلام کے ابدی پیغام کو قائم و دائم رکھنے میں مدد دے۔

اس لئے آج ہمارا فرض ہے کہ ہم صحیح اسلامی ہدایات سے رہنمائی حاصل کریں اور اپنے حالات کو نئے طرز سے سدھارنے کے لئے اپنی اور دوسروں کی میراث نیز موجودہ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے تجربات سے مدد حاصل کرتے ہوئے میدانِ عمل میں گامزن ہو جائیں جس سے ہمارے لئے حقیقی زندگی کا دورِ پُرنشاط بیداری اور بلند مثالی نمونہ کو سامنے رکھ کر سعی پیہم پر اکسانے والی تازہ دم قوت کا سامان پیدا ہو جائے جو ہمارے دلوں کے لئے مسرت بخش سرمایہ اور ہماری موجودہ تنگدستی و بدبختی میں ہمارے لئے وجۂ تسلی ثابت ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ستا رچل رہا ہے۔ انسانی قافلے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں، وہ ایسے لوگوں کا نہ انتظار کرتا ہے
وں کے لئے سست رفتار ہوتا ہے جو اس تک پہنچنے میں دیر لگاتے ہیں۔ ہر وہ لمحہ جسے ہم حالات
پرواہی اور انجام سے غفلت میں بسر کرتے ہیں۔ ہمیں پیچھے کی طرف تیزی سے دھکیل دیتا اور ہمیں
انی قافلے سے اور زیادہ دُور کر دیتا ہے جس کے ہراول دستہ میں ہماری شمولیت اسلامی فکر
ے ہمارا اولین فریضہ ہے۔

جو لوگ دین کی حفاظت کو خطرہ میں سمجھ کر یا اسلام انہیں جو احکام دیتا ہے ان میں تردد کی وجہ سے
ہر کرنے میں سستی کر رہے ہیں وہ اس اسلامی فکر کی سب سے بڑی مخالف قوت کا ساتھ دے
یں جو جمود و تعطل اور تردد و عناد کی سخت دشمن ہے۔

ہے وہ لوگ جو اس زادِ راہ کے بغیر ہی سفر طے کر لینے کے زعم میں ہیں تو وہ راستہ ہی میں تھک
جائیں گے، صحیح سمت سے بھٹک جائیں گے اور قافلے کو ہرگز نہ پا سکیں گے۔

اسلام حرکت کا قائل ہے لہذا ہمیں مسلسل آگے قدم بڑھاتے رہنا [illegible] مطلب نہیں
پنے ماضی [illegible] تعلق کر لیں اور از سرِ نو سفر کا آغاز کرنے کی کوشش [illegible] اس [illegible] انسانی
کو حقیقی اور اعلیٰ ترقی حاصل کرنے کے لئے جو سفر درپیش ہے اس کے لئے تو ہزاروں سال کی
رت بھی ناکافی ہے۔ ہماری کیفیت تو یہ [illegible] کہ ہمیں اثنائے سفر ہی میں ایک ایسی آفت نے آلیا جس
ں گم کردہ راہ کر دیا اور ایک طویل عرصہ تک سفر سے باز رکھا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم سب سے
س آفت کے ازالہ اور اپنے راستہ کو روڑوں اور کانٹوں سے صاف کر دیں۔ تاکہ ہم دوبارہ اپنے
ر پر بے روک ٹوک رواں دواں ہو جائیں۔ یہ انتہائی گمراہی ہوگی کہ ہم وہیں کھڑے رہ جائیں جہاں
نت نے ہمیں روک دیا تھا اور اپنی مطلوبہ سمت کو چھوڑ کر ان لوگوں کے ساتھ چل پڑیں جو ہمیں
سری سمت لے جانا چاہتے اور ہمارے اصل راستہ سے ہٹا کر ہمیں کسی دوسرے رستہ
نا چاہتے ہیں۔

اور چونکہ اسلام حرکت ہے لہذا ضروری ہے کہ ہم اس کے مقاصد کو سمجھنے اور اس کے معانی سے
ُ حاصل کرنے میں تغیر و ترقی اختیار کریں اور اس راستہ سے نہ ہٹیں جس پر ہمیں ڈالا گیا ہے۔ لیکن
ہی ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم نت نئے آلاتِ سفر اختیار کریں اور موجودہ زمانے کے وہ تمام

(باقی صفحہ ۷۲۰ پر)

© rasailojaraid.com